دیوان اوحدی

لطف اللہ بدوی

مٹھن کوٹ ڈویژن بہاولپور کے خانوادۂ خواجگان میں بڑے بڑے اہل اللہ گزرے ہیں۔ اس عالی خاندان کا مورث اعلیٰ یحییٰ بن مالک فاروقی عہد عباسیہ میں عراق سے ہجرت کر کے سندھ میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ اولاد میں سے شیخ حسین اکبری دور میں ٹھٹہ میں حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز رہے لیکن اخیر میں دولت اور امارت سے کنارہ کش ہو کر فقر اور درویشی کی طرف رجوع ہوئے۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت ہوئے اور بڑا نام پایا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند مخدوم محمد زکریاؒ غالباً عہد جہانگیری میں ٹھٹہ سے ہجرت کرکے، علاقہ ملتان کے ایک گمنام بستی منگلوٹ میں جاکر مقیم ہوئے۔ آپ کے پڑپوتے خواجہ محمد شریف کو پھر سندھ کی آب و ہوا اپنی طرف کھینچ لائی، اور آپ منگلوٹ سے ترک وطن فرماکر سیت پور میں جاکر بسے۔ خواجہ صاحب کی زندگی میں آپ کے ایک مرید مٹھن خاں نے جو اصل میں مغربی سندھ کا باشندہ تھا، جب مٹھن کوٹ آباد کیا، تو آپ نے اس کی دعوت پر مٹھن کوٹ میں مستقل طور پر رہائش اختیار کی۔ آپ کی اولاد میں سے خواجہ محمد عاقلؒ بڑے پایہ کے عالم اور عارف گزرے ہیں۔ آپ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ہمعصر تھے۔ دونوں حضرات کی آپس میں ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ یہ بہت پر آشوب دور تھا۔

احمد شاہ ابدالی اور تیمور شاہ کے بعد سکھوں کی طاقت، آہستہ آہستہ عروج پر آگئی تھی۔ مسلمان شہریوں پر جابجا ظلم توڑے جا رہے تھے۔ رنجیت سنگھ کا فرانسی جنرل وینڈ کورا، ڈیرہ غازی خاں اور مٹھن کوٹ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خواجہ صاحب مٹھن کوٹ کو غیر محفوظ سمجھ کر نواب محمد صادق خان اول کی درخواست پر، مٹھن کوٹ سے ہجرت فرماکر، دریائے سندھ کے مشرقی کنارے

پر بمقام چاچڑاں تحصیل خانپور میں مقیم ہوگئے۔ نواب صاحب کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ .... بعد میں یہ عقیدت پشت با پشت قائم رہی۔

خواجہ محمد عاقل رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کا فرزند خواجہ خدا بخش فقر کی مسند پر بیٹھے آپ کے روحانی فیض سے سیراب ہونے کے لئے نواب صادق خاں ثانی، آپ کے ارادتمندوں میں شامل ہوئے۔ تاریخ کا یہ اہم واقعہ ہے کہ جب نصیر خاں گورگیج نے بغاوت کی تھی اور بھاگ کر سندھ میں تالپیروں کے پناہ لی تھی، تو نواب صاحب نے آپ کی سفارش پر اس کے ناقابل بخشش قصور کو معاف کیا بلکہ منصب وزارت پر بھی دوبارہ بحال کیا۔ آپ نے سال ۱۲۶۹ھ میں وفات پائی۔ کسی ارادتمند مرید نے آپ کی سال وفات کو اس طرح موزوں کیا ہے۔

چو شیخم رخت ہستی زیں جہاں برد
بہ وصل حق مشرف گشت درخلد
چو کردم فکر تاریخ وصالش
ندا آمد بجو از خالد خلد
۱۲۶۹ھ

آپ کی وفات کے وقت آپ کے بڑے فرزند خواجہ فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۳۵ سال، اور چھوٹے فرزند خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ کی عمر آٹھ سال کے قریب تھی سجادۂ فقر پر خواجہ فخرالدین جلوہ گر ہوئے۔ مقابیس المجالس کے مطابق آپ سال ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ خواجہ فخرالدین نے علوم معقول اور منقول کی تحصیل اپنے مقتدر باپ کے درسگاہ میں کی۔ ظاھری علوم کی تکمیل کے بعد روحانی فیض کے حاصل کرنے کے لئے آپ نے اپنے والد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سالہا سال ریاضت اور عبادت الٰہی میں بسر کی۔ ابتداء میں درس بھی دیتے رہے۔ روایت ہے کہ شروع میں آپ کو درس دینے کی جرأت نہ ہوتی تھی، اور آپ اس شغلہ سے بہت گھبراتے تھے۔ مقابیس المجالس میں یہ حقیقت اس طرح

لہ مصنف تاریخ تحفۃ الکرام نے بیت پور کو علاقہ سندھ کا ایک حصہ لکھا ہے۔

۲ہ دونوں حضرات، قطب وقت خواجہ نور محمد مہاروی کے مرید بھی تھے۔ (از مناقب سلیمانی)

آتی ہے۔

چوں از تحصیل علم فارغ شدم، در خود جرأت درس دادن نمی داشتم تا آنکہ روزی حضرت قبلہ مولانا خواجہ فخر الملّت والدین محمد دہلوی را در خواب دیدم کہ مے فرمایند کہ اے فخر الدین چرا درس علم نمیدہی، بے پرواشدہ تدریس بکن۔۔۔۔۔۔ تا بعد ازیں بشارت بدرس پرداختم۔

آپ کے چھوٹے بھائی، خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ، جو بعد میں شہباز طریقت مشہور ہوئے اور ملتانی شاعری کو کمال پہ پہنچایا، آپ کے فیض یافتگان اور شاگردوں میں سے تھا۔ ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کو فخر جہاں کے لقب سے یاد فرماتے تھے، اپنے اشعار میں بھی جب آپ کا ذکر فرماتے تو فخر جہاں کا ہی حوالہ دیتے۔ اپنی مشہور کافی، بن دلبر شکل جہان آیا میں فرماتے ہیں۔

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کتھاں کتھے اسداللہ ذی شان آیا
کتھے حسن حسین شہید بنے کتھے مرشد فخر جہان آیا

ترجمہ۔ کہیں حضرات ابوبکر و عمر و عثمان شرف افزائے وجود ہوئے اور کہیں اسداللہ الغالب جلوہ گر ہوئے رضوان تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کہیں امام حسنؓ اور امام حسینؓ شہید ہوئے، اور کہیں خواجہ فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ ہو کر آئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

یا جھ محبت ذاتی کوجھا شور فساد
مرشد فخر جہاں نے کیتم یہ ارشاد

ترجمہ:۔

سوائے محبت ذاتی جوٹھا شور فساد
مرشد فخر جہاں نے یہ کیا ہے ارشاد

آج خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے حسین کلام کا اطراف عالم میں شہرہ ہو چکا ہے

لیکن شاید کوئی جانتا ہو کہ آپ کو یہ فیضان شاعری بھی خواجہ فخر الدین کی صحبت سے حاصل ہوا۔ خواجہ فخر الدین خود ایک بلند شاعر گزرے ہیں۔ خواجہ غلام فرید نے ملتانی زبان کو اپنایا اور خواجہ فخر جہاں نے اپنے لئے فارسی زبان کو منتخب کیا اور ایک دیوان یادگار چھوڑا۔ آپ کا تخلص اوحدی تھا۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کہ ایران میں بھی "اوحدی" کے تخلص سے ایک عظیم شخصیت گزری ہے۔ آپ کا اسم گرامی اوحدالدین تھا۔ آپ شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے اور عرصہ تک شیخ محی الدین ابن العربی کی صحبت میں بھی رہے۔ شیخ اکبر نے اپنی تصنیفات میں آپ کا ذکر کثرت سے کیا ہے۔ آپ کی تصنیفات کثیر التعداد ہیں، لیکن مثنوی مصباح الارواح اور دیوان زیادہ مشہور ہیں۔ دیوان میں آخر میں رباعیات بھی، جو گہرے غور اور فکر کا نتیجہ ہیں۔ ان میں سے یہاں دو نقل کر رہا ہوں، تاکہ آپ کے فکر اور مرتبہ کا اندازہ ہو سکے۔

ذاتم ورائے بیروں ز حد است وز چشمہ لطف آب حیاتم مدد است
علت زاهد با وحد آمد حرفے علت بگذار کہ اینک او حد احد است

چنداں برو ایں رہ کہ دوئی برخیزد ور ہست روی برہ روی برخیزد
تو او نہ شوی ولیک اگر جہد کنی جائے برسی کز تو توی برخیزد

حقیقت میں توحید صرف دیدن ہی دیدن ہے نہ دانستن و گفتن۔ حضرت عبید اللہ احرار ہروی کا ارشاد ہے۔ توحید یہ نہیں کہ حق کو یگانہ جانے بلکہ یہ ہے کہ تو اسی کا یگانہ ہو جائے واللہ اعلم بالصواب۔

خواجہ فخر الدین اوحدی کے دیوان کی ابتداء حمد اور نعت سے ہوتی ہے۔ اصل دیوان بعد میں آتا ہے۔ میں یہاں تبرکاً حمد اور نعت سے انتخاب پیش کر رہا ہوں۔

حمد

اے خداوند خالق اشیا جلوۂ حسن تست در ہر جا

آفتاب رخت چوں تاباں گشت — ہمہ ذرات کون شد پیدا
ہمہ از پر تو رخت پیدا — ہمہ از جام لعل نوشیدا
با صفاتت چو عقل ما نرسد — کے تواں کرد درک ذات ترا
ہم توئی از زبان ما گویا — ہم ز چشمان ما توئی بینا

بکشا چشم اوحدی کہ نگار
جلوہ گر شد ز پردۂ اسما

نعت

السلام اے خواجۂ ہردوسرا — السلام اے معدنِ لطف وسخا
السلام اے آفتاب ہردوکون — از رخت فردوس اعلیٰ را ضیا
السلام اے درمقامِ قرب تو — نے ملائک گنجد ونے انبیا
السلام اے شاہ خوبانِ جہاں — صدچو یوسف بر رخت شد مبتلا
السلام اے از فراقت عاشقاں — جاں بلب دارند بر قع برکشا
السلام اے پرتوِ انوارِ تو — می نگنجد در زمین ودر سما

السلام اے از تو ہردم اوحدی
آرزو دارد کہ بوسد خاک پا

حمد اور نعت جس والہانہ جذبہ سے موزوں ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ کرنے سے دل و دماغ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے یہ شاید فیضانِ الٰہی تھا، جس کے باعث دیوان کا ہر لفظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ دیوان کے شروع خواجہ حافظ کی ابتدائی غزل کے تتبع سے ہوتی ہے، لیکن اشعار سے عجب محویت نظر آتی ہے۔

عجب شورے زحسن تو درافتادہ است در دلہا
کہ پیش روئی تو رقصند چوں پروانہ بسملہا
بیا اے ساقیٔ جاناں کہ از شوق جمال تو
ہمہ شب تا سحر چوں شمع می سوزند محفلہا

ندارم طاقت دوری ندارم تاب دیدارش
چہ افتادہ ست یارب با من آشفتہ مشکلہا
زخونِ اشک من اے اوحدی خاک رہش گل شد
بروید لالہ خونی کفن تا حشر زین گلہا

تبین کلام کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ اس میں سادگی اور پختگی ہو۔ اگر شاعری میں یہ دو چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں، تو یہ معجز نمائی بن جاتی ہے۔ اگرچہ خواجہ صاحب کی شاعری کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ اس فن کا امام شمار کیا جائے۔ پھر بھی جہاں تک لوازمات شاعری کا تعلق ہے، ایک نقاد آپ کے کلام دیکھ کر یہ تسلیم کرے گا کہ آپ اپنے دور کے خوش فکر اور بے بدل شاعر تھے۔ متاخرین شعرا میں علامہ بیدل دہلوی زود گو شاعر گزرے ہیں۔ آپ نے بھی، خواجہ حافظ کی اس مشہور غزل پر طبع آزمائی کی ہے لیکن اوحدی اور بیدل کے اشعار میں نمایاں امتیاز نظر آتا ہے۔ بیدل فرماتے ہیں۔

جنون العشق خیراً لی، من الرحمان سألہا
لعل اللہ فی قلبی بالطافٍ ینزّلہا
اگر خواہی کہ مستغرق شوی در بحرِ بیرنگی
لشوقی الفور اے غواص دست از سیر ساحلہا
سوادِ طرۂ عنبر فشانش بین کہ صد شرے
چو ابرِ برقی ریزاں انداخت اندر خرمنِ دلہا
اگر ذوق بہا خواہی، مشو دور از فنا بیدل
کہ ہرگز در نخواہد شد بجز نفی تو منزلہا

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اوحدی کے اشعار قوت فکر اور صفائی کے بدولت بیدل کے اشعار سے زیادہ تابدار ہیں۔ خیر یہ تو ایک فنی موازانہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی شاعری میں دو چیزیں واہانہ طور سے نظر آتی ہیں۔ ایک تو وحدت الوجود کی تبلیغ ہے، لیکن دوسری تو اس سے بھی گرانا یہ ہے۔ یعنی ایک آشنائے حق، دل کی واردات کا سچا

نقشہ کھینچ کر دکھا رہا ہے۔ دل میں محبت الٰہی کا چراغ ضیا باری کرتا ہوا نظر آتا ہے یہی بیدل کی شاعری کی بھی نمایاں وصف ہے۔ درحقیقت ان اہل دل شعراء کی شاعری کا مقصد فقط یہ ہے، کہ جادۂ حق کی نشاندہی کرتے رہیں۔ اس حقیقت کو اوحدی اس طرح منظوم فرماتے ہیں۔

ہردم از سودائے تو آتش بجاں داریم ما
داغہائے عشق تو در دل نہاں داریم ما
گرچہ ما از تو نشاں ہرگز نمی یابیم لیک
از جفائے عشق تو در دل نشاں داریم ما
تو نمی یابی خبر ہرگز ز حالِ عاشقاں
در فراقت گرچہ دیدہ خونفشاں داریم ما
طالبِ حوران جنت نیستم اے اوحدی
آرزوئے وصل جاناں ہر زماں داریم ما
از تحیر پیش رویت طاقتِ گفتار نیست
ورنہ از حسن و جمالت صد بیاں داریم ما

ظاہر میں تو یہ ایک غزل ہے، لیکن حقیقت میں آپ بیتی ہے۔ عرفان حقیقی کے شیدا اسی طرح اپنے شب و روز بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصود بالذات ذات ہی ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ نور حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ان کی حیرت تصور ذہنی نہیں ہوتی، بلکہ ایک حقیقت ہے جس کی غائت سوز و گداز پر منتہی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس اندرونی کشمکش کو کوئی عرفان کا صاحب ہی جان سکتا ہے۔

حسن لیلیٰ گر ندانی از قتیل عشق پرس
دردِ مجنوں گر ندانی از منِ شیدا شنو

وحدت الوجود کی حقیقت کو اس پیرایہ سے آپ نے بیان کیا ہے، ایک گونہ تسلی ہوجاتی ہے خواجہ صاحب عالم و عالمیاں کا ظہور حسن و عشق کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہر ذرے کا دل شاہد ازل کے محبت میں تڑپتا ہوا نظر آتا ہے اور شان بے نیازی اپنے ہی سنگار

میں مصروف ہے۔ اس وجدانی کیفیت کو شعر کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں۔

از پس پردہ عشق گشت پدید
چشم بکشادو روئے خود دید
بہر اظہار حسن و خوبیٔ خویش
خلعت از صورت بشر پوشید
روئے بنمود باز شد مستور
پردہ صبر بیدلاں بدرید
فارغ از ہر دو کون گشت آں کس
کہ یکے از جرعۂ از لب توچشید
شد چناں مست اوحدی زلبش
کہ ندارد مجال گفت و شنید

باوجود اس حقیقت کے انکشاف کے ہوتے بھی، آپ اس مسئلہ پر زیادہ گفت و شنید پسند نہیں کرتے۔ آپ کے برگزیدہ مرید اور عیر فانی شاعر خواجہ غلام فرید نے فرمایا ہے۔

"مراتب عبدیت پر مراتب الوہیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے۔
برف کا معنی فی الاصل عین آب ہے لیکن صورت غیر حق
تعالیٰ جل شانہ، ہستیٔ مطلق ہے اور باقی بحیثیت تعین غیر"

یہ آپ ہی کی تعلیم کا عکس ہے۔ اس تعین کے مطلق جس سے غیریت آجاتی ہے:۔

مولانائے روم فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند وز جدایہا شکایت میکند ۴
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نے فریاد کرتی ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر نے جب سے مجھ کو مرتبۂ غیب سے علیحدہ کر دیا ہے، میرے فراق اور شکایت کے نالہائے پیچیدہ سے سارا جہان نالاں ہے۔

خواجہ صاحب اس شرح فراق کو زیادہ دردمندانہ طور سے پیش کرتے ہیں۔

بے تو جاں در قالبم چوں مرغ باشد در قفس
اندرونِ سینہ دل فریاد دارد چوں جرس
چشمِ من چوں ابر می گرید ز ہر شب تا سحر
من ز آہِ آتشیں چوں برق خنداں ہر نفس
وز نگاہِ نرگست آشوب در دلہا فتاد
وز فریب عشوہ اونیست خالی ہیچ کس
جاں بجاناں دادن از پیش اجل اے اوحدی
کار پاکانست نے آں کس کہ باشد بوالہوس

دیوان اوحدی علیہ الرحمتہ کا بڑا حصہ نعتیہ اشعار سے پر نظر آتا ہے حقیقت محمدیہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

چو شاہ عشق بیروں شد ز بطحا
جہاں روشن شد از نورِ تجلی
چو تاب مہر ذاتش کس ندارد
برخ افگند زاں جلباب اسما
چو فوجِ حسن امی تاخت ہر سو
بملکِ جان و دل افتاد یغما
چو حسنِ دلبرِ ما جلوہ گر شد
نقوشِ ذات آندم گشت پیدا
ملک از دیدنش گشتند مدہوش
خرد شد ہم ز حسنش مست و شیدا
مشو اوال بہ ہیں یکذات موجود
کہ در جملہ مراتب شد ہویدا

نقاب زلف از رویش چو وا شد

بعالم اوحدی افتاد غوغا

دیوان کے آخر میں چند مثنویات بھی ہیں۔ مختصر لیکن پر معنیٰ۔ مثنوی عشقیہ میں محبوب کی سراپا اور اپنی دلگرائی کی کیفیت اس طرح پیش کرتے ہیں۔

ہم چو خورشید روئے تو تاباں

دین و دل ما چو ذرہ سرگرداں

چشم تو ہم چو نرگس است بخواب

ما ازیں خواب چشم تو بے خواب

غنچہ لعل تو شود خنداں

چوں شود ابر چشم ما گریاں

گل ز روئے تو منفعل گشتہ

بلبل از نالہ ام خجل گشتہ

از رخت شمع چہرہ بفروزد

عشق پروانہ از من آموزد

عشق را نیست اوحدی پایاں

چند گوئی ز عشق شرح بیاں

دیوان اوحدی کی ہر خصوصیت یعنی فن اور فکر کی نازک خیالی کو قلم بند کرنے کے لئے ایک ضخیم مقالہ کی ضرورت ہے۔ اس مختصر مضمون میں یہ گنجائش کہاں ہے کہ سب خصوصیات کو فرداً فرداً بیان کیا جا سکے۔ لیکن یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ یہ سوز و گداز کے حقائق سے لبریز بیاض اب تک مسودہ کی حالت میں ہے۔ جب یہ اشاعت پذیر ہوا تو دنیا اس بحر بے کنار سے آشنا ہو کر اس کے مد و جزر سے آگاہ ہو جائیگی۔ میرا مضمون ختم ہو رہا ہے تاہم آخر میں شائقین کے مزید مطالعہ کے لئے آپ کے کلام سے مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

انتخاب کلام

رخت خورشید یا ماہے تمام است | شبنلائے لبت یحیی العظام است
ز مہر عاشقاں خاک در تو | بہشت عدن یا بیت الحرام است
کند وصف لب شیرینت از شوق | ازاں روا ہدی شیریں کلام است

نیم لائق کہ بوسہ بر کف آں پا توانم زد | بر آنجا نقش پائے تو بود آنجا توانم زد
ازاں روی کہ خورشید و قمر شرمندگی دارم | کجا دم در ثنائے آں رخ زیبا توانم زد
ازاں پنہاں شدم اندر غزلہائے خود اے جاناں | کہ در شرح معانی نہاں بوسہ برآں لبہا توانم زد

چوں بوصفت یک غزل گفتم بتا اندر چمن | زو فغاں بلبل ز شوقت گل دریدہ پیرہن
پردہ از عارض برافگن اے مہ تابان من | کز فراق روئے تو فریاد دارد مرد و زن

چوں نالم از فراق روئے تو
روز من شد چوں شب گیسوئے تو

از پئے دیدار تو دارم ہوائے زندگی | ورنہ آید زیں حیات خویش صد شرمندگی
چوں روی اندر گلستاں سرو از خجلت بتا | می کند پیش قد بالات سر افگندگی